لہ دعوۃ الحق

قرآن و سنت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ
الحق
اکوڑہ خٹک

جلد نمبر : ۴
شمارہ نمبر : ۱۰

ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ
جولائی ۱۹۶۹ء

مدیر
سمیع الحق

اس شمارے میں

نقشِ آغاز (چاند کی تسخیر)	سمیع الحق	۲
عمل حرام کا وبال (اسلامی معیشت کا ایک پہلو)	شیخ الحدیث مولانا عبد الحق مدظلہ	۱۱
محمد الرسول اللہ بحیثیت داعی الی اللہ	مولانا محمد میاں صاحب۔ دہلی	۱۸
سیدنا حاجی امداد اللہ کے علوم و معارف	حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ	۲۴
مدنی شیخ کی مجلس میں (ملفوظات)	شیخ عبد الغفور العباسی المدنی مہاجر مدینہ	۳۰
شاہ محمد اسماعیل شہید	مولانا سعید الرحمان علوی	۳۷
آہ شیخ الشیوخ العباسی المدنیؒ	مولانا غلام محمد صاحب بی اے	۴۵
وحدت و امامت کلمہ طیبہ کی روشنی میں	ڈاکٹر غلام صابر قریشی۔ کراچی	۵۰
احکام و مسائل (ــــ ٹیلی ویژن)	شیخ الحدیث مولانا عبد الحق مدظلہ	۵۵
افکار و تاثرات	قارئین	۵۶
تبصرۂ کتب	ادارہ	۶۱

بدل اشتراک

مغربی پاکستان سالانہ چھ روپے ، فی پرچہ ۶۰ پیسے
مشرقی پاکستان سالانہ بذریعہ ہوائی ڈاک آٹھ روپے ، فی پرچہ ۷۵ پیسے
غیر ممالک سالانہ ایک پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ طابع و ناشر نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقش آغاز

چاند کی تسخیر

سائنس کی دنیا میں پچھلے چند سالوں سے خلائی فتوحات کا غلغلہ ہے، امریکی خلائی جہاز اپالو دہم کے حالیہ تجربہ اور ۲۰ جولائی کو چاند پر انسان اتارنے کے پروگرام سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہماری اس وسیع کائنات کا حسین ترین سیارہ چاند انسانی قدموں کے زیر ہوا چاہتا ہے، مذہب اور سائنس کے دائرہ کار اور حدود سے لاعلمی، طبیعیاتی علوم میں ناپختگی اور مذہب سے دوری یا کم علمی کی وجہ سے ان خلائی کارناموں نے بہت سے مسلمانوں کو احساس کمتری، مرعوبیت اور شکوک وشبہات میں ڈال دیا ہے، آج کی فرصت میں اسلامی نقطۂ نظر سے اس مسئلہ پر کچھ اصولی روشنی ڈالی جاتی ہے ــــــ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ یہ پورا کارخانۂ عالم اپنی تخلیق وبقاء اور اپنا تسلسل قائم رکھنے میں کسی بے جان مادہ، انرجی، نامعلوم الیکٹرون یا سلسلۂ علت ومعلول کا منت پذیر نہیں، بلکہ یہ نہایت منظم اور پرحکمت کائنات ایک حی وقیوم اور حکیم وعلیم صانع کی کرشمہ سازی ہے، انسانی فطرت کی اس بارہ میں جو تجسس اور بے چینی ہے، اس بے چینی کا یہی ایک سیدھا سادا اور قابل تسلیم جواب ہے۔ اس ازلی اور ابدی حقیقت کو چھوڑ کر عقلاء اور فلاسفۂ قدیم یا عصر حاضر کے ماہرین طبیعیات اور سائنسدانوں نے جو بھی راستہ اختیار کیا وہ ایک ایسی سرحد پر ختم ہو کر رہا جہاں انہیں حیرت واضطراب فکری انتشار، تضاد بیانی اور بالآخر عجز ودرماندگی کے اعتراف کے سوا اور کچھ نہ مل سکا ــــــ پھر یہ کائنات صرف وہی کچھ نہیں جو اب تک ہمارے علم و ادراک اور مشاہدات کی گرفت میں آچکا ہے۔ بلکہ خداوند قدوس کی خدائی کی کوئی انتہا ہی نہیں۔ موجودہ سائنس کو اپنی تحقیق اور تجربات کی رو سے اعتراف ہے کہ علویات اور سفلیات کا جتنا حصہ ہمارے علم ومشاہدہ میں آچکا ہے، وہ اس لامحدود کائنات کا کھربواں حصہ بھی نہیں جو اب تک ہماری نگاہ و درماندہ سے مستور ہے۔ مذہب اسلام اپنے آخری

رسول ؐ کی زبانی کائنات کی اس لامحدود وسعتوں کا اعلان کیا تو بندگان عقل اور غلامان مشاہدہ کو تردد رہا مگر آج کے سائنسدانوں نے خالق کائنات کی تخلیقی عظمتوں پر اپنے اس قسم کے اعترافات سے منکر سے منکر انسان کا بھی سر تسلیم خم کرا دیا۔ اور مذہب کی تائید و تصدیق کا یہی وہ کام ہے جو خداوند کریم آج سائنس سے لے رہا ہے۔ اس کائنات کی وسعتوں کا کیا حال ہے...؟ اس کے جواب میں بطور مثال ہم صرف چند چیزیں پیش کرتے ہیں، کائنات کی وسعت کے بارہ میں یہ بھی صرف چند قیاسی اور ظنی تخمینے ہیں ورنہ حقیقت اس سے بھی بڑھ کر ہے...... صرف ستاروں کو لیجئے جو اس وسیع کائنات کا صرف ایک جزء اور ایک حصہ ہے۔ ورلڈ اٹیلس کی تحقیق کے مطابق اگر رات کو مطلع صاف ہو تو ۵ ہزار تارے نظر آتے ہیں، ہلکی دوربین سے کئی ہزار قوی دوربینوں سے کروڑوں اور امریکہ کے بڑے رصدگاہ ماؤنٹ پالومر سے اربوں نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹر ٹنڈل نے جغرافیہ عالم میں خوردبینوں سے نظر آنے والے ان تاروں کی تعداد سات ارب بتلائی ہے، مگر بعض علماء فلکیات کا خیال ہے کہ ان ستاروں کی تعداد دنیا بھر کے سمندروں کے کنارے ریت کے ذرات سے بھی بڑھ کر ہے، پھر ان میں سے بعض تارے تو حجم میں اتنے بڑے ہیں کہ بعض میں لاکھوں اور بعض میں اربوں زمینیں سما سکتی ہیں، پھر ان ستاروں کے درمیانی مسافت اور کرۂ ارض سے فاصلہ کا کیا عالم ہے، انہی سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ چاند ہماری زمین سے اڑھائی لاکھ میل سورج ساڑھے نو کروڑ اور زہرہ ساڑھے تیرہ کروڑ میل دور ہے، ان سیاروں میں بعید ترین سیارہ پلوٹو ہے جو ساڑھے سات ارب میل کے دائرہ میں چکر لگا رہا ہے، پھر یہ کائنات ستاروں کی لاتعداد کہکشاؤں کی صورت میں حرکت کر رہی ہے اور ہمارے شمسی نظام کا قریب ترین کہکشاں اپنے محور پہ گردش کرتے ہوئے ایک دور بیس کروڑ سال میں پورا کرتی ہے پوری کائنات کی پیمائش کے لئے بعض سائنسدانوں کے خیال میں ۴۸ ارب سال اور بعض کی رائے میں ایک ارب سال کا عرصہ درکار ہے جبکہ اس عرصہ میں ہماری تحقیق وانکشاف کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ رہے۔ اس پر بس نہیں بلکہ ہر لمحہ اس کائنات میں چاروں طرف اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اس پھیلنے کی رفتار آئن سٹائن کے خیال میں اتنی تیز ہے کہ ہر ۱۳۰ کروڑ سال بعد کائنات کی مقدار دگنی ہو جاتی ہے، اور یہ جو روشنی ستاروں سے چھوٹ چھوٹ کر ہماری نگاہوں کو خیرہ کرتی رہتی ہے وہ ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے آ رہی ہے مگر بہت سے ستارے ایسے ہیں جن کی روشنی اس تیزی

اور سرعت کے باوجود ابتدائے آفرینش سے لیکر اب تک ہماری زمین تک پہنچ بھی نہیں سکی۔ یہی وہ چیز ہے۔ جو اس کائنات کی وسعت کی صحیح تعبیر اسکی بے حساب حکمتوں اور اس کے صحیح اندازہ کے بارہ میں انسان کو مجبور و بے بس بنا کر اس حقیقت کے اعتراف پر مجبور کر دیتی ہے جسے خداوندِ کائنات نے ان الفاظ میں تعبیر فرمایا :

ولو ان ما فی الارض من شجرۃ اقلام	اگر زمین کے تمام درخت قلم ہوں اور موجودہ سمندروں
والبحر یمدہ من بعدہ سبعۃ ابحر	کے ساتھ سات اور ایسے سمندر بھی سیاہی بن جائیں
ما نفدت کلمات اللہ ۔	جب بھی خدا کی تخلیق کارفرمائیوں اور حکمتوں کی باتیں ختم
....	نہ ہو سکیں گی ۔

اور یہی وہ صداقت ہے جسے قرآن نے وما یعلم جنود ربک الا ھو (اور نہیں جانتا تیرے رب کے لشکروں کو مگر وہی) اور وما اوتیتم من العلم الا قلیلا۔ (اور نہیں دیا گیا تمہیں مگر تھوڑا سا علم) سے اشارہ فرمایا ہے۔

یہ حالت تو صرف اس عالم کی ہے جسے ہم مادیات اور عناصر و محسوسات کی دنیا سے تعبیر کر سکتے ہیں یہاں ایک اور عالم بھی ہے جو نگاہوں کی دسترس سے بالا اور عقل و خرد کی ترکتازیوں سے وراء الوراء ہے جسے "عالمِ غیب" سے موسوم کرتے ہیں اور جس کے لئے یہ ساری ظاہری کائنات ایک وسیلہ اور خادم ہے اسکی وسعتوں اور گہرائیوں کے سامنے تو یہ پوری مادی کائنات بھی ایک ذرۂ بے مقدار کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس کے حصول اور جسکی تعمیر و آرائش کے لئے انبیاء کرام آتے رہے اور اُن ابدی حقیقتوں کی تلقین کرتے رہے جن پر ہماری دائمی کامیابی اور حیات جاودانی کا دار و مدار ہے۔

دوسری اہم بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ اس پورے عالمِ آب و گل کو اس کے خالق نے بے مقصد اور سعی لاحاصل قرار نہیں دیا بلکہ زمین میں اپنے خلیفہ "حضرت انسان" کو اوّل روز سے علمی قوتوں سے مالا مال کیا۔ (وعلم آدم الاسماء کلھا۔) اور بار بار اس کائنات میں غور و فکر اور تدبّر کرنے اس کی حکمتوں کو سمجھنے، اس کے لامحدود خزانوں سے فائدہ اٹھا کر اسے عالمِ آخرت کیلئے زیادہ سے زیادہ کارآمد بنانے کی مسلسل دعوت دیتا چلا آرہا ہے اور بار بار اعلان کرتا ہے کہ عرش سے

لیکر فرش تک سب کچھ تمہارے لئے پیدا کیا گیا کہ تم اس سے فائدہ اٹھاؤ۔ اور اس کے ذرّہ ذرّہ کو خالقِ کائنات کی پہچان اور اسکی عظمتوں کے اعتراف کا ذریعہ بنا دو، اس کے چپّہ چپّہ میں تمہارے لئے عبرت و نصیحت کے دفتر پنہاں ہیں اس کا ذرہ ذرہ تمہارے لئے راحت اور سامانِ تعیش کا ایک گنجِ گرانمایہ اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ یہ شمس و قمر یہ بحر و بر سب کچھ تمہارے لئے ہے اور یہ اس ربِ کریم کی نہایت کرم نوازی ہے کہ تمہارے اوپر ظاہری و باطنی نعمتوں کی اتنی بارش برساتا ہے جسے تم قیامت تک حساب بھی نہ کر سکو۔ یہی نہیں بلکہ خلق و فنِ تخلیق اور ایجاد کے اس عمل میں ہر لحظہ ترقی تسلسل اور اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے۔ ویخلق ما لا تعلمون۔ اور یہ سب کچھ اس لئے کہ تم اس کی دی ہوئی نعمتوں سے خوب خوب فائدہ اٹھا کر اسکی عظمتوں میں ڈوب جاؤ، سراپا عبدیت اور بندگی بن جاؤ اور تمہارا رُواں رُواں اس کائنات میں تمہارے اشرف المخلوقات ہونے کی ایک واضح نشانی بن جائے۔

ثم تذکروا نعمۃ ربکم اذا استویتم علیہ	پھر جب اس پر تمہارا تسلّط ہو جائے تو اپنے رب کا
وتقولوا سبحان الذی سخر لنا ھذا	احسان یاد کرو اور کہدو کہ پاک ذات ہے وہ جس
وما کنا لہ مقرنین وانّا الی ربنا	نے اسکو ہمارے بس میں کر دیا۔ بیشک ہمیں اپنے
لمنقلبون۔	رب کیطرف لوٹ کر جانا ہے۔

اسی مقصد کے لئے قرآنِ کریم مادیات کی تسخیر کے ساتھ ساتھ کہیں لعلکم تشکرون (تاکہ تم شکر کرو) کا اور کہیں لتکبّروا اللہ علی ما ھدٰکم (تاکہ تم اللہ کی بندگی بیان کرو کہ اس نے تمہیں ان چیزوں کی ہدایت دی) جیسے کلمات ذکر کرتا ہے۔

اس وسیع کائنات کا صرف انسان کے لئے بنایا جانا اور اس میں تسخیر اور غلبہ کی لامحدود قوتیں ودیعت فرمانا اور اول تا آخر غور و تدبّر کی دعوت دینا خود بخود اس حقیقت کی غمازی کر رہا ہے کہ موجودہ سائنس کا مقصد اگر عناصرِ اربعہ کے باہمی تحلیل و ترکیب اور عناصرِ علوی و سفلی کے باہمی ربط و تعلق سے پردہ ہٹا کر انسان کیلئے اس سے استفادہ کرنے کی نئی نئی راہیں نکالنا ہے۔ تو ایک سچّے اور صحیح مذہب کے کسی گوشہ اور پہلو پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ مذہب کا براہِ راست تعلق ایک دوسرے عالم سے ہے جو اس کائنات کے آغاز و انجام کی گتھیاں سلجھاتا اور ہدایت و صلاح کے طریقے سمجھاتا ہے اور اس پوری کائنات کا مقصدِ تخلیق بتلاتا ہے۔ مذہب کی حدودِ فرمانروائی وہاں سے شروع ہوتی ہیں جہاں

سائنس اور فلسفہ کی مملکت ختم اور اسکی قوت پرواز جواب دیدیتی ہے، دوسرے الفاظ میں سائنس اور طبعیات کا تعلق صرف عالم آب و گل اور کثیف عناصر سے ہے، خواہ اس کا ظہور کرۂ ارضی کی شکل میں ہو یا چاند اور سورج کی شکل میں، مگر مذہب کا دائرہ کار اور تعلق روحانیات اور الٰہیات ہیں وہ ہمیں انسان کے گہرے مسائل فطری حقائق نوامیس خداوندی آخرت حساب و کتاب اور قانونِ مکافات عمل، زندگی کے انجام اور توحید و رسالت جیسے لطیف اور باقی و پائدار امور سے واقف کراتا ہے۔ اوّل الذکر کے اصول و مبادی ہر وقت تغیّر پذیر ہیں اس کی تحقیق و انکشاف پر مبنی نتائج میں ہر لحظہ ترمیم و تبدیلی ہو سکتی ہے۔ جبکہ مذہب کے اصول و مبادی اٹل اس کی سچائیاں ابدی اور اس کے علوم و نظریات کی صداقت لافانی اور ہر زمانہ اور ہر دور کیلئے ایک چیلنج ہوتی ہے۔ ایک کا سرچشمہ خدائے حی و قیوم کی دی ہوئی روشنی وحی اور نبوت ہے دوسرے کا مبلغ علم، عقل خام اور فہم ناقص ہے۔ فاین الثریا واین الثریٰ۔ پس زمین پر چلنے والے چوپایوں کا ہوا میں اڑنے والے پرندوں سے اور کسی ریل گاڑی کا سمندری جہاز سے تصادم اتنا تعجب خیز نہیں جتنی کہ یہ رائے قائم کر لینا کہ مذہب اور سائنس میں تصادم ہو سکتا ہے۔ اگر سائنس کی کوئی بات مشاہدۂ صحیح اور عقل سلیم پر مبنی ہے تو ناممکن ہے کہ مذہب کے کسی اصول سے اس کا ٹکراؤ ہو اگر ایسی صورتحال کہیں پیدا ہو جائے تو وہ درحقیقت عقل کی ٹھوکر کا نتیجہ ہوگا۔ حقائق اشیاء کے ادراک میں ہمارے علم و فہم سے لغزش ہوئی ہوگی یا پھر ایک ایسی بات کا رشتہ ہم نے مذہب سے ملا دیا ہوگا جو نہ تو کسی صحیح سند اور مضبوط استدلال اور نقل صحیح پر مبنی ہوگا، اور نہ اس کا رشتہ درحقیقت مذہب کی اوّلین تعلیمات سے ملا ہوگا ——

اور یہ اس لئے کہ جسطرح ایک سچا مشاہدہ اور علمی دریافت قابلِ تسلیم ہے تو کسی قطعی اور متواتر دلیل پر مبنی مذہب کا کوئی اصول اس سے ہزار درجہ ناقابلِ تردید اور واجب التسلیم ہے، دونوں میں تعارض ناممکن ہے دونوں کا دائرہ کار الگ الگ اور دونوں کی حدودِ اختیار جدا جدا ہیں ——

تیسری قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ انبیاء کرامؑ کی بعثت اور آسمانی تعلیمات وحی و رسالت کا اوّلین مقصد صرف اور صرف انسانیت کی ہدایت اور راہنمائی ہوتی ہے۔ نبی کی تعلیمات کا محور سچائی کی تلقین بھلائی کی ہدایت خلق کا خالق سے رشتہ ملانا، خدا کی دی ہوئی زندگی اور اس کائنات کا صحیح مصرف اور محل میں استعمال کرانا اور اس زندگی کو حیاتِ جاودانی کا ذریعہ بنانا ہوتا ہے، وہ اگر آیاتِ آفاقی و انفسی سے بحث کرتا ہے تو صرف اس لئے کہ اسے ذات وحدہٗ لاشریک کی پہچان کا ذریعہ بنایا جائے وہ عالم آخرت اور حیات بعد الموت کا ذکر چھیڑتا ہے تو سائنسی استدلال

اور منطقی مقدمات سے اسے ثابت نہیں کراتا بلکہ روزمرہ مشاہدہ میں آنے والے تکوینی امور و حقائق کی طرف توجہ دلاکر پوچھنا چاہتا ہے کہ اگر یہ سب کچھ ممکن ہے تو مرنے کے بعد دوسری زندگی اور نبوت کی دیگر تعلیمات ماننے میں کیا استبعاد ہے ۔؟ یا پھر صرف اس حد تک انہیں بیان کرتا ہے ۔ کہ کسی شرعی مسئلہ اور بندگی کے کسی طور طریقہ اور اس کے وقت اور مقدار سے اس کا تعلق ہو اصلاً یہ تعلیمات تعلیمات ہدایت ہوتی ہیں ۔ حقائق اشیاء اور عناصر کی کنہ و ماہیت سے بحث کرنا اس کا موضوع نہیں ہوتا ، چاند کے بارہ میں بار بار پوچھا گیا تو صرف یہی کہا گیا کہ قل ھی مواقیت للناس والحج ۔ کہ یہ تو حج اور دیگر امور کے اوقات کی نشاندہی کرتا ہے ۔ آگے اسکی ماہیت اور حقیقت زمین سے اسکی مسافت اور اس کے قابل تسخیر ہونے یا نہ ہونے سے سکوت کیا گیا کہ وہ تو ہدایت کی کتاب تھی ، کیمیا نجوم ، رمل اور ریاضی کی نہیں ۔ الغرض جن مسائل کا تعلق عالم غیب سے نہ تھا انہیں انسانی علم و فہم پر چھوڑ دیا گیا کہ یہ چیز بھی خدا کی دی ہوئی تھی ، اور یہ اس لئے کہ نہ تو ایسے مسائل پر مذہب کا اثبات موقوف تھا اور نہ مذہب ان مسائل سے انکار پہ مجبور کرتا تھا ۔ پس اگر آج کوئی شخص علماء طبعیات کے کسی کارنامہ سے مرعوب ہو کر دین سے انکار یا اس کا استخفاف کرتا ہے ۔ تو وہ اتنا ہی قابل مذمت ہے جتنا کہ وہ شخص جو ہر نئی دریافت اور مادی انکشاف کو اسلام سے متصادم سمجھ کر اس کے ماننے سے انکار کر بیٹھے دونوں راہیں غلط اور عقلی بے مائیگی کی علامت ہیں ۔

اس تفصیل کی روشنی میں چاند اور ستاروں کی تسخیر کا مسئلہ لیجئے ـــــ بلاشبہ قرآن و حدیث نے اس کے وقوع پذیر ہونے کی صاف صریح اور محکم الفاظ میں نشاندہی نہیں کی کہ نہ تو یہ چیز اس کے موضوع میں داخل تھی اور نہ چودہ سو سال بعد تحقیق اور مشاہدہ پر مبنی کسی دریافت کی تمام تفصیلات اُس وقت کے اذہان کے لئے قابل فہم تھیں[1] ـــــ مگر کیا اسلام نے ان فتوحات کے متحقق اور وقوع ہونے کی نفی بھی کی ہے ۔؟ اسلامی تعلیمات اور کتاب و سنت کی تصریحات میں ہمیں کوئی بھی ایسی چیز نہیں مل سکتی جن سے ان چیزوں کی نفی ہوتی ہو یا اب تک کسی ثابت شدہ تحقیق سے اسکی

---

[1] یہاں واضح اور غیر مبہم اخبار و اطلاع کی نفی ہے ورنہ علامات ساعۃ کے ضمن میں ایسی بہت سی چیزیں ہیں جنہیں تاویل کے درجہ میں عصری ایجادات کے لئے پیشگوئی قرار دیا جاسکتا ہے مگر اس کی تعبیر میں اُس وقت کی مخاطب دنیا کا لحاظ رکھا گیا ۔ اور جو دن کے اجالے کی طرح ایک ایک کر کے دنیا کے سامنے اس صادق و مصدوق ؐ کی صداقت کی گواہی دے رہی ہیں ۔ "س ح"

تغلیط ہوتی ہو چاند اور سورج یا دیگر سیاروں کا کسی خاص آسمان کیطرف نسبت یا آسمانوں میں اس کا جڑنا اور اس قسم کے کئی امور کے بارہ میں جو متضاد آراء اور مختلف نظریات مشہور ہیں وہ سب کے سب فلسفۂ یونان رومی علم الافلاک یا بطلیموسی علم ہیئت یا پھر اسرائیلی روایات بلکہ خود اب تک کے سائنسدانوں کے متضاد اقوال پر مبنی ہیں۔ صدیوں تک ان افکار و نظریات کا غلغلہ رہا اور مسلمانوں کے دو ایک مفسرین نے بھی اس سے متاثر ہو کر ان کا رشتہ تاویل کے طور پر کسی آیت سے جوڑ دیا، تفسیر محکم کے طور پر ہرگز نہیں پھر ان تفاسیر میں اگر بطلیموس اور فیثا غورث کی تحقیقات پر مبنی اقوال مل سکتے ہیں تو دوسری طرف عبداللہؓ بن عباس جیسے حبر الامت صحابی اور عطاء بن ابی رباح جیسے ثقہ تابعی کے اقوال و روایات بھی موجود ہیں جن سے عصر حاضر کی موجودہ تحقیقات کی تائید ہو رہی ہے۔ ان حضرات کی روایات میں تصریح پائی جاتی ہے کہ نظامِ فلکی کے تمام سیارے شمس و قمر زہرہ اور عطارد سمیت آسمانوں کے نیچے لٹکے ہوئے فانوسوں کی مانند ہیں، یہاں تک کہ جن چیزوں کی تعبیر موجودہ اصطلاح میں مرکز ثقل، کشش اور مدار میں گردش وغیرہ سے کی جاتی ہے۔ ان روایات میں انہیں نور کی زنجیروں، ڈھکی ہوئی موج، جذب اور مدار وغیرہ کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے جو لوگ چاند اور ستاروں کو اسرائیلی روایات یا اپنی تاویلات کے بل بوتے پر آسمانوں کے اوپر یا ان کے بیچ میں انگوٹھی میں ہیرے اور تختی میں میخ کی مانند جڑا ہوا ثابت کرنا چاہتا ہے۔ محقق علماء اور مفسرین نے ان کی تردید کی ہے، اور ان تاویلات کو بے دلیل اور ناقابلِ اعتماد قرار دیا ہے۔ لا یعول علیہا۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو روح المعانی (ج ۱۷ - ۱۸ - ۳۰) اور دیگر تفاسیر ——— قرآن کریم کی ظاہری عبارت اور سیاق و سباق بھی اس کی تائید کرتی ہے اور وہ آسمان کو ایک محفوظ چھت قرار دیکر اس چھت کو ستاروں سے روشن کرنے کا احسان جتلاتا ہے ——— رہا آسمانوں کا وجود تو بیشک قرآن و سنت بار بار اسے ایک حقیقتِ ثابتہ کے طور پر ذکر کرتا ہے۔ ان کا وجود ان کا تعدد ان کا ذی جرم ہونا ان میں دروازوں اور گذرگاہوں کا پایا جانا اور مختلف منازل اور برجوں پر ان کا تقسیم ہونا یہ سب کچھ صاف اور صریح الفاظ میں موجود ہے۔ مگر کائنات کی ان لامحدود وسعتوں کے ہوتے ہوئے (جنہیں اجمالاً اشارہ کیا جا چکا ہے۔) کائنات کی ایک حقیر مقدار اور معمولی ذرہ کے برابر چاند اور سورج کی صورت میں کسی سیارہ تک رسائی ہو جانے سے یہ دعویٰ کرنا کہ آسمانوں کا وجود ہی نہیں علم و فہم اور عقل و خرد کی تضحیک اور رسوائی نہیں تو اور کیا ہے، کنویں کے مینڈک کی مثال شاید ایسے لوگوں سے بڑھ کر کسی اور پر کبھی صادق نہ آئی ہو۔ حال ہی میں ایک تازہ بیان کسی سائنسدان کا نظر